جناب ڈاکٹر نذیر احمد صاحب علی گڑھ

اسلامی تمدن میں علم کی روایت اور اس کے متعلقہ مسائل

علم کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کی جان توڑ کوشش

قرآن کریم کی نسبت سے فن خطاطی کو بڑا عروج نصیب ہوا، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اسی مصحف کے صدقے میں یہ فن ایجاد ہوا، اور اس نے اسی کے توسط سے ارتقا کے منازل طے کئے، دراصل خطاطی و خوشنویسی ہمارے رسم خط کی تخصیص ہے ورنہ دنیا کے تمام رسم خطوں کا مقصد محض مفاہم کا ضبط تحریر میں لانا ہے۔ یہاں تو یہ ہے کہ ہر شخص کی تحریر مختلف ہونے کی وجہ سے تحریر کے ہزاروں لاکھوں نمونے ہر ترقی یافتہ زبان میں مل جائیں گے، لیکن ان میں بذات خود ایسا ہنر نہ ہوگا جس سے علم کے اصول منضبط ہو سکیں۔ اس کے برخلاف عربی و فارسی رسم خط کی بدولت خطاطی و خوشنویسی کا فن وجود میں آیا، اس میں وسعت پیدا ہوئی، یہاں تک کہ یہ فن نہایت دقیق علم قرار پایا، اس کے اصول و ضوابط مقرر ہوئے، اس کے اقسام الگ الگ خواص قرار پائے، اس طرح جدا جدا مکاتب وجود میں آئے، بے جا نہ ہوگا کہ چند سطروں میں اس کے بارے میں کچھ تفصیل درج کردی جائے۔

خط عربی ابتداءً سادہ و نسخ تھا، یہی سادگی حضور اکرمؐ کے فرامین میں موجود ہے منجملہ ان کے حضورؐ کا نامہ مبارک ہے، جو حبش کے بادشاہ نجاشی کے نام جنوری سنہ ۱۹۴۰ء میں ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے جرنل میں شائع ہوا، دوسرا نامہ مصر و قبط کے بادشاہ مقوقس کے نام ہے۔

جو پہلی بار مجلہ الہلال قاہرہ میں سنہ ۱۹۰۴ء میں چھپا تھا حضور اکرمؐ کا فرمان منذرین ساوی کے نام ہے۔ جو جرمنی کے مجلہ zdmg ج، سنہ ۱۸۶۳ء میں پہلی بار شائع ہوا تھا، اسی خط میں دو نمونے پیش میں ہو آمد ہوئے، یہ ابتدائی ساده نسخ رفتہ رفتہ خط کوفی سے نزدیک تر ہوتا گیا، چنانچہ اس نسخ ممزوج بکوفی کا قدیم ترین نمونہ قاہرہ میوزیم میں محفوظ ہے، یہ ایک مزار کا کتبہ ہے، جو سنہ ۳۱ھ کا ہے، دوسرا کتبہ سنہ ۷۲ھ کا ہے، جو بیت المقدس پایا جاتا ہے، ایک تحریر ولید بن ملک سنہ ۸۶-۹۶ھ کے عہد کی ملی ہے یہ سادہ خط جو نسخ اور نسخ ممزوج بہ کوفی کے طرز میں ملتا ہے، رفتہ رفتہ تزئینی شکل اختیار کر لیتا ہے، عباسی دور میں خطاطی کی بڑی ترقی ہوئی، خلیفہ مامون کے دور کا بڑا خطاط ابو خالد احول تھا، اس نے خطاطی کے قواعد منضبط کئے، اور اس کی وجہ سے خطاطی کے بہترین نمونے وجود میں آئے، اسی دور کا ایک وزیر فضل بن سہل سرخسی ذو الریاستین تھا اس کی توجہ سے خط الریاستی رواج پذیر ہوا، یہی خط چار خطوں کا مبدء ہے یعنی ثلث، محقق، رقاع، غبار، تیسری صدی ہجری کے خط کی بہترین یادگار ایک کلام مجید ہے جس کی کتابت سنہ ۲۹۲ھ کی ہے، اور دمشق کے میوزیم میں محفوظ ہے، یہ خط کوفی تزئینی میں ہے، آستان قدس مشہد میں ایک قرآن سنہ ۳۲۲ھ کا مکتوبہ ہے، یہ کوفی خط میں ہے، جو مائل بہ نسخ ہے، اسی آستانے کا ایک نسخہ سلطان محمود غزنوی کے دبیر ابو الحسن عراقی کا وقف کردہ ہے، جو خط نسخ مائل بہ ثلث میں ہے، چوتھی صدی میں ایک تزئینی خط وجود میں آیا، جس کو بیر آموز کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، لیکن اس دور میں سادہ خط نسخ بھی رائج تھا، آستان قدس مشہد کے گنجینۂ قرآن میں قرآن کا ایک نسخہ خط کوفی مائل بہ نسخ میں ہے، اس کو سلطان محمود غزنوی کے وزیر ابو القاسم منصور نے سنہ ۳۹۳ھ میں وقف کیا تھا، پانچویں صدی کے جو نسخے ملتے ہیں ان میں تزئینی خط کے علاوہ تذہیب و تنقیش بھی ملتی ہے، اس کے سلسلے میں قرآن کے چند نسخے قابل ذکر ہیں نسخہ قرآن خط کوفی کاتب محمد عثمان در ان غزنوی تاریخ وقف آستان قدس سنہ ۴۹۲ھ (۲) نسخہ قرآن خط کوفی مائل بہ بیر آموز مجموعہ

چیسٹر بیٹی (۳) نسخہ قرآن خط کوفی باتذہیب کتاب خانہ پیرس مکتوبہ سنہ ۵۰۵ھ (۴) نسخہ قرآن خط کوفی باتذہیب کاتب ابو بکر بن احمد بن عبید اللہ غزنوی، مصر میوزیم کتابت سنہ ۵۶۶ھ چھٹی صدی ہجری میں خط نسخ میں ریحان، رقاع، توقیع کی آمیزش ملتی ہے، اس کی نمایندگی محمد بن عیسیٰ بن علی نیشاپوری کے قرآن پاک مکتوبہ سنہ ۵۸۶ھ سے ہوتی ہے، جو سلطان غیاث الدین محمد بن سام کیلئے تیار ہوا تھا، اور جواب ایران باستان کے میوزیم میں محفوظ ہے۔

اسلامی دور کی خطاطی کی سات سو سالہ تاریخ بڑی اہمیت کی حامل ہے، ابتدا میں نسخ سادہ کا رواج تھا، پھر نسخ آمیختہ بکوفی کا رواج ہوا، پھر کوفی سادہ، پھر کوفی ممزوج بہ نسخ، پھر کوفی تزیینی، اور نسخ تزیینی رواج پذیر ہوئے، لیکن ان میں جو ذرا ذرا سا فرق ہے، اس کے اعتبار سے الگ الگ نام ہوئے، جن کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے، لیکن اوائل تیموری دور میں صرف چھ خط زیادہ متداول تھے، ثلث، ریحان، محقق، نسخ، توقیع، رقاع، اس کے بعد نستعلیق خط وجود میں آیا جو فارسی خط ہے، لیکن اس میں بھی قرآن کریم کے نسخے ملتے ہیں۔

قرآن کریم کی آرائش و زیبائش پر جتنی توجہ ہوئی وہ دنیا کی کسی ایک کتاب کا کیا ذکر سارے ذخیرہ پر نہ ہوئی ہوگی، ہزاروں فن کاروں نے اپنے ہنر کی نمائش کے لیے قرآن کو منتخب کیا، اس کے نتیجے میں خود قرآن کے ایسے ایسے نادر نسخے وجود میں آئے ہیں جو اسلامی خطاطی کی تاریخ کے لیے اہم مواد کا کام دیتے ہیں، لیکن ابھی خطاطی کی تاریخ اس اہم ماخذ کی روشنی میں لکھی نہیں جا سکی ہے، قرآن مجید کے جتنے نسخے ملتے ہیں، اتنے نسخے دنیا میں کسی ایک . . . کتاب کا کیا ذکر متعدد کتابوں سے مل کر نہ ہوں گے، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب قرآن مجید ہے، اور اسی پر سب سے زیادہ ہنر صرف ہوا ہے۔

اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ اسلام میں ایسے ایسے نئے علوم ایجاد ہوئے جن کا نام و نشان بھی

دوسرے تمدن میں نہیں۔ اس کے نتیجے میں ہزاروں علما اور لاکھوں کروڑوں کتابیں معرض وجود آئیں جو موضوع کے لحاظ سے بھی بالکل نادر تھیں، تہذیب انسانی اسلام کے اس احسان عظیم سے گراں بار ہے۔

علوم شرعی میں جن امور و مسائل پر علمائے اسلام نے کتابیں تصنیف کیں ان مسائل سے تہذیب بشری دوچار نہیں ہوئی تھی، اس لحاظ سے یہ دنیائے علم میں زبردست اضافے کا موجب اور اسی اعتبار سے تاریخ بشر پر اسلام کا احسان عظیم ہے، نئے علوم کی دریافت اور ان سے متعلقہ امور کا نہایت درجہ عمیق مطالعہ مسلمانوں کا اتنا عظیم کارنامہ ہے، جس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں نہیں مل سکتی، علوم شرعیہ کا یہ رخ حددرجہ قابل توجہ ہے۔

علوم عقلی میں مسلمانوں نے جو کارنامے انجام دئے وہ اس لحاظ سے بڑے اہم ہیں کہ پورے عالم میں اس لحاظ سے ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ جب عالم اسلام میں بیت الحکمۃ قائم ہو رہے تھے اور ان میں اہم علمی مسائل کی تحقیق و تدقیق انجام پا رہی تھی، یورپ تعلیم کے ابتدائی مراحل سے بھی نہیں گذرا تھا، مسلمانوں نے یونانی علوم کو عربی میں اس طرح منتقل کیا، اور اس پر بھرپور اضافہ کرکے ان میں نئی جہتیں پیدا کیں، یونانی علوم کا بیشتر حصہ اصل زبان میں زمانہ کی نذر ہو گیا تھا، البتہ عربی زبان میں وہ سارا کا سارا محفوظ رہا، اور یہی یورپ میں نشاۃ ثانیہ کا موجب ہوا، اہل عرب کو اب سارے عالم کی علمی سربراہی حاصل ہوئی، اور ان کی یہ بالادستی کئی صدی تک قائم رہی، چنانچہ مشرق اور مغرب کے سارے دانشوروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر عربوں نے علم کی حفاظت میں ایسی جان توڑ کوشش نہ کی ہوتی تو یورپ ابھی تک ..... دور تاریکی میں ہوتا، تہذیب عالم اسلام کے بار احسان سے کیوں کر سبکدوش ہو سکتی ہے، اب میں جستہ جستہ چند علما کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے یونانی علوم نہ صرف محفوظ رہ گئے، بلکہ ان پر اضافے ہوئے، اور ان کی نئے سرے سے

تجربے اور تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا گیا، اس طرح وہ لوگ دنیائے علم میں زبردست اضافے کا موجب بنے، علوم کی ترقی میں خلفائے عباسی نے جو کارنامے انجام دیئے وہ ہمیشہ زندہ اور تابناک رہیں گے،

مشاہیر علمائے ریاضی میں یوں تو کئی نام ملتے ہیں لیکن سب سے زیادہ قابل ذکر شخصیت ابوعبداللہ محمد بن موسیٰ خوارزمی معاصر خلیفہ مامون (۲۱۸-۱۹۸ھ) کی ہے، اس کی کتاب حساب کا عربی متن مفقود ہے لیکن اس کا بارہویں صدی عیسوی کا لاطینی ترجمہ موجود ہے، اس کی دوسری اہم کتاب کتاب المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ موجود ہے، یہ کتاب لاطینی اور انگریزی دونوں یورپی زبانوں میں منتقل ہو گئی ہے، خوارزمی نے ان دونوں کتابوں کے ذریعے اسلامی نقطۂ نظر کو یورپ سے روشناس کرایا، اہل یورپ اس کو الخوارزم کہتے ہیں۔

خوارزمی کے معاصرین میں محمد بن کثیر فرغانی ہے، جس کے دو رسالے اسطرلاب پر اور ایک کتاب اصول علم نجوم پر ہے، یہ کتاب لاطینی میں ترجمہ ہو چکی ہے۔

قرن سوم کے دانشوروں میں بنی موسیٰ بن شاکر قابل ذکر ہیں، ان کی ایک کتاب معرفۃ الاشکال البسیطۃ والکریہ موجود ہے، اس کا ایک بیٹا محمد بن موسیٰ ہے، متوفی ۲۵۹ھ جس کی مشہور تصنیف کتاب المخروطات ہے۔

اسی دور کا ایک ریاضی دان و منجم عمر بن الفرخان الطبری ہے، جس نے کتاب الاربعۃ لبطلیموس القلوذی کی تشریح لکھی ہے، وہ متعدد کتابوں کا مصنف ہے، اس کی نجوم پر دو کتابیں جوامع الاسرار و کتاب مختصر باقی ہیں۔

اسی صدی کا سب سے مشہور فلسفی یعقوب بن اسحاق الکندی ہے۔ (۲۵۸ھ) اس کے بیس رسالے موجود ہیں بعض کی اصل عربی باقی ہے، اور بعض کے محض لاطینی ترجمے، اس کی اکثر تصانیف ۱۲ ویں صدی میں Geradus Cremonesis کے وسیلے سے لاطینی میں منتقل ہوئی تھیں

کندی یونانی علوم کا زبردست ماہر تھا، اس کے ذریعے اصل علوم تک رسائی ہو سکتی ہے، اس کے شاگردوں میں ابو معشر بلخی (م ۲۷۲ھ) احمد بن طیب سرخسی اور احمد بن سہل بلخی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اس دور میں یونانی اور دوسری زبانوں کی علمی کتابوں کے ترجمے ہوئے، ان مترجمین میں ثابت بن قرہ حرانی کا نام قابل ذکر ہے، اس نے ریاضی، ہندسہ اور طب کی متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا، جو اکثر موجود ہیں۔

اس دور کی طبی تصانیف میں منصور عباسی کے طبیب جورجیس بن بختیشوع کی کتاب الکناش موجود ہے، ابو زکریا یوحنا بن ماسویہ (م ۲۴۳) کی کتاب الحمیات المشجر باقی رہ گئی، حنین بن اسحاق نے یونانی اور سریانی سے طب کی متعدد کتابیں عربی میں منتقل کیں، لیکن تیسری صدی کا سب سے مشہور طبیب ابوالحسن علی بن سہل ابن طبری ہے، اس کی مشہور کتاب فردوس الحکمۃ ہے جو طبع ہو چکی ہے۔

چوتھی اور پانچویں صدی علوم اسلامی خصوصاً علوم عقلی کی ترقی کا دور ہے، اس دور میں محمد بن زکریا رازی، ابونصر فارابی، علی بن عباس مجوسی، ابن سینا، ابوریحان بیرونی، ابن مسکویہ، ابو سہل مسیحی، وغیرہ دانشوروں کی وجہ سے علوم اسلامی نے وہ درجہ حاصل کر لیا، جو اسے کبھی نصیب نہ تھا، اور انہی کی کوششوں سے مشرق کو علم کے میدان میں وہ امتیاز حاصل ہوا جو اسے پھر کبھی نہ ملا، اور اسی کی وجہ سے سارے عالم کی علمی سربراہی کئی سو صدی تک مشرق کے حصے میں رہی۔ طب، حکمت، ریاضی، جغرافیہ، ایسے علوم ہیں جن میں مسلمانوں نے نہایت درجہ ناموری حاصل کی، اس سلسلے کے بعض مشاہیر کا نام درج کیا جاتا ہے۔

حکمائے بزرگ میں محمد بن زکریا رازی، ابونصر فارابی، ابوسلیمان منطقی، ابن رشد، ابن طفیل، ابوحیان توحیدی، ابن مسکویہ، ابن سینا خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، علوم ریاضی میں ابوالوفا بوزجانی، ابوجعفر الخازن الخراسانی، ابوسعید احمد بن عبدالجلیل سجزی، عبدالرحمن صوفی، ابو سہل کوہی

ابوریحان محمد بن احمد بیرونی قابل ستائش ہیں، طب میں محمد بن زکریا رازی، علی بن عباس مجوسی ابوسہل مسیحی جرجانی، ابن سینا کا نام کبھی بھلایا نہیں جاسکتا، علم جغرافیا میں ابوالقاسم محمد بن خرداذبہ ابوالقاسم محمد بن حوقل، ابواسحاق ابراہیم اصطخری شمس الدین مقدسی، ابوعبداللہ احمد بن محمد جیہانی، ابوالحسن علی مسعودی، ابوزید بلخی، ابوریحان بیرونی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔

علم تاریخ میں مسلمانوں نے بڑے کارنامے انجام دئے ہیں، اسلامی تمدن کی برتری کے زمانہ میں بڑے بڑے مورخین گذرے ہیں، ان میں چند کا نام یہ ہے،

ابن اسحاق، سیرت ۷۶۷ء۔ بلاذری، فتوح البلدان ۸۹۲ء۔ ابن قتیبہ کتاب المعارف ۸۸۹ء۔ ابوحنیفہ دینوری، الاخبار الطوال ۸۹۵ء۔ یعقوبی ۸۷۲ء ۲۵۸ھ حمزہ اصفہانی ۹۶۱ء مسکویہ ۱۰۳۰ء۔ محمد بن جریر طبری تاریخ الرسل والملوک ۳۱۰ھ۔ ابوالحسن علی المسعودی مروج الذہب ۹۵۶ء۔ ابن الاثیر الکامل فی التاریخ ۱۲۳۴ء ۶۳۰ھ۔ ابن خلکان وفیات الاعیان ۶۸۳ھ۔ ابن خلدون ۸۰۶ھ۔ یاقوت حموی ۶۲۶ھ، ابن خلدون ۸۰۶ھ، ابن عساکر تاریخ دمشق ۵۷۱ھ۔ ابن خطیب بغدادی۔ تاریخ بغداد وغیرہ

ان کے ساتھ فارسی زبان کے چند مورخین کے نام کا اضافہ غیر ضروری نہ ہوگا۔

ابوالفضل بیہقی تاریخ مسعودی۔ گردیزی۔ زین الاخبار۔ عطا ملک جوینی، جہان کشا۔ رشید الدین فضل اللہ۔ جامع التواریخ۔

ان کے علاوہ طبقات کے سیکڑوں مولفین کے کارنامے ہیں، جو تاریخ کے اہم ماخذ ہیں، اور جن کے بغیر اسلامی علوم کی تاریخ نامکمل رہے گی۔

مسلمانوں نے علوم وفنون کی ترقی میں جو قابل ذکر کارنامے انجام دئے ہیں، ان کا اعتراف اہل مغرب نے بھی کیا ہے، چنانچہ ہٹی جیسے مصنف کو یہ قول دہرانا پڑا،

"بنی نوع انسان کے مخصوص کام مسلمانوں کے توسط سے انجام پذیر ہوئے، عظیم ترین فلسفی الفارابی مسلمان تھا، سب سے بڑے ریاضی دان، ابو کامل اور ابراہیم بن سنان مسلمان تھے، سب سے بڑا جغرافیہ دان اور دائرۃ المعارف بصلاحیت کامل مسعودی مسلمان تھا اور سب سے بڑا مورخ الطبری بھی مسلمان تھا"

غرض اسلامی تمدن کی علمی برتری ایسے دانشوروں کے کارناموں کی وجہ سے ہے، جن کی اہمیت آج بھی برقرار ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس تمدن کی سب سے زیادہ قابل توجہ تخصیص کتابوں کی کثرت اور تنوع ہے، تہذیب بشر میں کسی مخصوص قوم کے یہاں نہ اتنے دانشور ملیں گے، نہ ان کے یہاں علوم وفنون میں اتنا تنوع ہوگا، نہ ان کے یہاں اتنا علمی سرمایہ ہوگا، اگرچہ اس علمی سرمایے کا بیشتر حصہ مفقود ہو چکا ہے، اور جو موجود ہے، وہ مفقود حصے کا محض ایک حقیر جز ہے، اگر کسی طرح مفقود اور معلوم سرمایے کا احاطہ ہو سکے تو معلوم ہوگا، کہ کتابوں کی تعداد کئی کروڑ تک پہنچ جائے گی، ان کتابوں کی ایک بڑی خصوصیت ان کی ضخامت ہے، بعض علما کی کتابیں ۸۰ مجلدات سے زیادہ ہیں، ابن عساکر کی تاریخ دمشق اور زکریا رازی کی الحاوی اس زمرے میں آتی ہیں، طبری کی تاریخ الرسل والملوک ۱۵ جلدوں میں لائڈن سے ۱۸۷۹ء تا ۱۹۰۱ء شائع ہوئی ہے، اور اس کی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۴۰ مجلدات پر مشتمل تھی، سامانی امیر ابو صالح منصور بن نوح (م ۳۶۵ھ) نے دیکھی تو کہا کہ اتنی ضخیم تفسیر کا مطالعہ میرے بس کا نہیں، پھر اس نے ماوراء النہر اور خراسان کے علما کو جمع کیا، اور اس کے ترجمے کے جواز میں کوئی قطعی فیصلہ چاہا، علما کی ایک جماعت نے غور وفکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ فارسی زبان میں قرآن کی تفسیر جائز ہے، اس کے چند علما اس کام کے لئے منتخب ہوئے، اور انھوں نے فارسی میں تفسیر طبری کا خلاصہ مرتب کیا، جو ۱۱ مجلدات پر مشتمل تھا۔

امیر خلف بن احمد (م ۳۹۹ھ) سیستان کا نامور حکمران گذرا ہے، جو ۳۹۳ھ میں محمود غزنوی سے شکست پاجاتا ہے، اس کے بعد محمود کا قبضہ سیستان پر مستحکم ہوتا ہے۔ امیر خلف نہایت سخی اور عادل بادشاہ تھا، علوم کا بڑا قدر دان اور علماء و فضلاء کا مربی تھا، مشہور مورخ عتبی نے تاریخ یمینی میں اس کے فضائل کے ذکر میں ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے کہ امیر مذکور نے اپنے زمانے کے مشہور علماء کو جمع کیا، اور قرآن مجید کی ایک ایسی مفصل و جامع تفسیر لکھنے کی فرمائش کی جو مفسروں کے اقوال، متقدمین و متاخرین کی تاویلات مختلف قرأتوں کے وجوہ اور نحو کے اسباب کے بیان، مشتقات لغات، امثال و شواہد نظم و نثر، اخبار و احادیث سے آراستہ ہو، راوی لکھتا ہے کہ اس کے مولفین کو بیس ہزار اشرفیاں دی گئیں، اس تفسیر کا ایک نسخہ مدرسہ صابونی نیشاپور میں غزوں کے حملے (۵۴۸ھ) تک موجود تھا، اس کے بعد وہ اصفہان منتقل ہوا، اور آل خجند کے کتب خانے کی زینت بنا، تاریخ یمینی کے مترجم ابو شرف ناصح جرباد قانی نے اضافہ کیا ہے کہ (اواخر چھٹی صدی ہجری) جب وہ اپنے وطن سے نکل کر اصفہان میں مقیم ہوا، اس نے تفسیر مذکور کا وہ نسخہ دیکھا تھا، سو جلدوں میں تھا، اس کے استنساخ کے لیے ایک عمر درکار ہے، اور اس کام کے لیے بہت سے کاتبوں کی ضرورت ہوگی۔

طبری نے علم کی جتنی خدمت کی ہے اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اس کی ابتداء تحریر سے موت تک جو حساب کیا گیا تو روزانہ چودہ ورق کا اوسط تھا، عبد الرحمن بن الجوزی (م ۵۹۷ھ) کے بارے میں خود ان کے نواسے کا بیان ہے کہ انھوں نے دو ہزار مجلدات اپنے ہاتھ سے لکھی تھی اور ہر روز ۴ جزئے لکھتے اور سالانہ ۴۰ تا ۵۰ مجلد ہو جاتے۔

اسلامی تمدن کی برتری کے دور میں کروڑوں کتابیں لکھی گئیں، چونکہ اس زمانے میں پریس نہ تھا، اس لیے قلمی نسخے تیار ہوتے تھے، خطوط اچھے برے کئی قسم کے تھے، یہ خطوط

جہاں بڑے بڑے خطاطین کے فنی کمال کی نمائندگی کرتے ہیں، وہاں پیشہ ور کاتبوں کی لاپروائی داستان اپنی زبان بے زبانی سے دہراتے ہیں، اس طرح لاکھوں کاتب، خطاط، خوشنویس وغیرہ اس کام پر مامور ہوتے، آپ غور کریں جب معاشرے میں کتابوں کی تعداد کروڑوں سے متجاوز ہو۔ اور وہ سب کی سب قلمی شکل میں ہوں، اور اکثر و بیشتر کا حجم ہزار صفحے سے زیادہ ہو تو ان کے لئے کتابت کے کتنے وسائل درکار ہونگے، جب طرح لاکھوں خطاط اس کام میں مصروف ہوتے ہیں اتنی ہی تعداد میں دل کش سیاہی بنانے والے، کاغذ تیار کرنے والے بھی درکار ہوتے، بعد کے دوروں میں مصور بھی وجود میں آجاتے ہیں، وہ بھی قلمی کتابوں کی توضیح کے لیے ان میں تصویر کشی کرتا ہے، غرض لاکھوں کروڑوں فنکاروں کی پیہم کوشش کا نتیجہ، اسلامی تمدن کے کروڑوں مخطوطات ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاشرہ تعلیم وتعلم میں مصروف تھا، آپ اگر اس وقت کے اسلامی ممالک کی آبادی کو ذہن میں رکھیں تو دنیا کے تمدن میں جو علمی انقلاب ہوا وہ زیادہ عبرت آموز معلوم ہوگا۔ اور موجب صد افتخار بھی۔

مخطوطات کے سلسلے میں چند باتیں خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:

۱۔ لاکھوں سے زیادہ مخطوطات ضائع ہو چکے ہیں، اور ان کی وجہ سے بہت سا علم بھی ضائع ہو گیا۔ نادر مخطوطات کے ساتھ نادر علم بھی دفن ہو گیا۔ عام مخطوطے بھی کسی نہ کسی درجے میں تحقیقات کے حامل ہوتے ہیں، اس لیے کوئی دو مخطوطے یکساں نہیں ہوتے، اختلاف نسخ میں علم روپوش ہوتا ہے۔

۲۔ اسلامی مخطوطات جو باقی رہ گئے ہیں، وہ اپنی کثرت اور تنوع مضامین کے اعتبار سے دوسری تمام تہذیبوں پر فوقیت رکھتے ہیں۔

۳۔ ہزاروں کتابیں ایسی ہیں، جن کی بنیاد محض ایک ہی مخطوطے پر ہے، ایسے مخطوطے نہایت

درجہ قیمتی ہیں، ان کی حفاظت کی فوری تدبیر ہونی چاہیے۔

۴۔ ہزاروں کتابوں کا محض ایک جزء محفوظ رہ گیا ہے۔

۵۔ مصنف کے خود نوشت مخطوطے خاصی تعداد میں موجود ہیں، لیکن ان کے مقابلے میں جو ضائع ہو چکے ہیں، بہت زیادہ ہیں، اس لیے تقریباً ہر مصنف کوئی نہ کوئی مسودہ ضرور تیار کرتا ہے، اس لحاظ سے خود نوشت مخطوطات کی تعداد مصنف کی تعداد سے کم نہ ہونا چاہیے، لیکن موجود اور مفقود میں ایک اور ہزار کی نسبت سے بڑی نسبت ہوگی۔

۶۔ اسلامی دور کے مصنفین اور قارئین کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ مخطوطات پر دوران مطالعہ اپنی یادداشت ثبت کرتے رہے ہیں، اس سے مخطوطہ کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا تھا، ذیل میں بعض چند ایسے مخطوطات کا ذکر کیا جاتا ہے جو یا تو خود نوشت مخطوطے ہیں یا اہم مصنفین کی یادداشت سے مزین ہیں، یہ مثالیں محض نمونۂ مشتے از خروارے ہیں۔

کتاب تفسیر غریب القرآن علی حروف المعجم، تالیف ابوبکر محمد بن عمر بن احمد بن عزیز السجستانی (م ۳۳۶ھ) اس کو مشہور مصنف ابن الجوالیقی (م ۵۳۹ھ) نے ۵۱۴ھ میں پڑھا، مخطوطہ مکتوب ۴۹۹ھ میں، پھر زید بن حسن بن زید الکندی (م ۶۱۳ھ) کی یادداشت کے مطابق ربیع الثانی ۶۰۰ھ میں اس کے مطالعے میں رہا۔ (چسٹر بیٹی، ڈبلن، پلیٹ نمبر ۱)

النہایہ فی غریب الحدیث تالیف مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد بن الاثیر الشیبانی الجزری (م ۶۰۶)، مؤلف کا خط (چسٹر بیٹی نمبر ۳)

حلیۃ الابرار تالیف محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی (م ۶۷۶)، اس کی کتابت خود اس کے شاگرد علی بن ابراہیم بن داؤد بن العطار نے ۶۷۰ھ میں کی۔ (ایضاً: نمبر ۶)

کشف الابہام، تالیف بدر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الشبلی بن تمیم الشبلیہ (۶۱۳ھ - ۶۶۹ھ) خود مؤلف کا نسخہ کتابت رجب ۶۳۸ھ (ایضاً: نمبر ۷)

ہدایۃ الساری لفتح الباری، تالیف شہاب الدین ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی الکنانی (م : ۸۵۲) کی کتابت ۹۰۸ھ میں مشہور محدث القسطلانی (م : ۹۲۳) نے کی۔ (ایضاً نمبر ۱۲)

ادب الکاتب، تالیف ابن قتیبہ (م : ۲۷۰) تاریخ کتابت محرم ۵۴۳ھ کاتب جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی (وفات ۵۹۷ھ) عالم اسلام کی اس عظیم المرتبت شخصیت نے ۳۳ سال کی عمر میں اسے نقل کیا تھا۔ (ایضاً: نمبر ۴۲)

احیاء علوم الدین کا یہ نسخہ ۵۶۲ھ اور ۵۷۷ھ میں مشہور مورخ احمد بن یوسف بن الازرق کے مطالعہ میں رہا۔ (نمبر ۴۳)

کتاب شفاء الصدور، تالیف ابوبکر محمد بن حسین بن زیاد المعروف بالنقاش، اس نسخے پر دو یادداشتیں ہیں، ایک شوال ۵۳۱ھ کی جو ابوالبرکات بن المبارک الانماطی (م : ۵۳۸) استاذ ابن الجوزی کے خط میں اور دوسری سند مالک مخطوطہ کی ہے، جو عبدالمالک بن سعید کے بیٹے تھے۔ (م : ۵۶۰) (نمبر ۴۶)

کتاب الفوائد، تالیف ابوبکر بن عبیداللہ بن محمد بن الشاکر السیرانی (م : ۳۷۸) کے کاتب ابن عساکر مؤلف تاریخ دمشق ہیں، اس پر متعدد یادداشتیں ہیں، ۵۹۶ھ کی تحریر ابن عساکر کے پوتے علی بن القاسم (م ۶۱۶) کی ہے۔ (نمبر ۵۰)

مشارق الانوار، تالیف حسن بن محمد بن حسن الصغانی (م : ۶۵۰) پر خود مصنف کی یادداشت ہے اس کا کاتب عبداللہ بن محمد بن ابی بکر الغسانی الاندلسی ہے، اس کو خود مصنف کے گھر پر مختلف علماء نے پڑھا، صغانی اصلاً لاہوری ہیں۔ (نمبر ۵۱)

ترجمۂ اقلیدس نصیرالدین طوسی کے شاگرد نجم الدین علی بن عمر قزوینی کے خط میں ہے۔ (نمبر ۵۴)

اطراف الصحیحین تالیف ابونعیم عبیداللہ بن الحسن بن احمد بن الحداد الاصفہانی (م : ۵۱۷) خود مؤلف کے خط میں مکتوبہ ۵۱۱ھ۔ (نمبر ۵۵)

اختیار الاکابر تالیف شمس الدین السخاوی (م: ۹۰۲) اس کے کاتب ابوبکر بن عبدالرحمن بن محمد بن ابی بکر بن عثمان بن محمد السخاوی الشافعی (م: ۹۹۳ھ) برادر مؤلف، (نمبر ۵۹)

ابن القلقشندی (م: ۸۷۱) کے خطبات کا مجموعہ جو ربیع الثانی سنہ ھ میں مسجد جامع ازہر مصر میں دیئے گئے تھے، (نمبر ۶۰)

ابو خیثمہ زہیر بن حرب النسائی الشیبانی (وفات سنہ ۲۳۴ھ) پر ابن حجر عسقلانی (م: ۸۵۲ھ) کی یادداشت سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس کو مجد الدین بن ابراہیم کے ساتھ پڑھا، اور سخاوی کی ایک تحریر سے واضح ہے کہ انھوں نے اس نسخے کو ۱۳ رجادی الثانیہ سنہ ۸۵۰ھ میں ابن حجر کے ساتھ مطالعہ کیا، (نمبر ۶۳)
اس نسخے میں سخاوی کے خط میں ان کے متعدد معاصرین کے نام ہیں، جو خود صاحب تصنیف بزرگ ہوئے ہیں، (نمبر ۶۵)

ابن قتیبہ کی غرائب الحدیث، کتابت سنہ ۲۷۹ھ، جو عبدالعزیز بن الحسین بن علی الزہری کے مطالعہ میں سنہ ۴۰۳ھ میں رہی، (نمبر ۶۸)

دارقطنی الحافظ (م: ۳۸۵) کی کتاب المجتنیٰ من السنن المنظہرہ کے کاتب عبداللہ بن ابراہیم بن مظہر الدقاق (م: ۶۱۹) ہیں۔ اس پر متعدد فضلاء کی تحریریں ہیں، عماد الدین ابو اسحاق ابراہیم بن عبدالواحد بن علی بن سرور المقدسی کے مطالعہ میں یہ نسخہ سنہ ۵۸۰ھ میں رہا، دوسری یادداشت شوال سنہ ھ کی ہے، خط عبدالرحیم بن عبدالواحد بن احمد المقدسی کا ہے اور ضیاء الدین محمد المقدسی (م: سنہ ۶۴۳ھ) استاد جو کہ اس کے نیچے ان کا نام موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی (م: ۶۲۰) تھا، ایک شاگرد ابوالفتح محمد بن عبدالغنی الجماعیلی (م: ۶۱۳) پسر عبدالغنی المقدسی الجماعیلی (م: ۶۰۰ھ) (نمبر ۷۰)

مخطوطہ نمبر ۳۶۶۴ بخط تقی الدین ابوبکر بن محمد بن ابی بکر البسطامی الحلبی، معروف بہ ابن الحبیش شاگرد سخاوی، مخطوطہ سخاوی کی بھی تحریر سے مزین ہے، (نمبر ۹۱)

جمال الدین ابوالفرج ابن الجوزی (م: ۵۹۷) کی تنظیم کا مخطوطہ احمد بن عبدالرحمٰن بن احمد بن عبدالرحمٰن ابن علی بن یحییٰ بن محمد الشہرزوری کے خط میں ہے، (وفات ۷۰۱) (نمبر ۱۱۰)

ابن فارس (م: ۳۹۵) کے تتمہ فصیح الکلام کا مخطوطہ، یاقوت بن عبداللہ الرومی الحموی (م: ۶۲۶) کے خط میں (نمبر ۱۳۴) مخطوطہ نمبر ۳۹۹۹۔

اسی مخطوطہ کے جزاول پر یاقوت الحموی کی سنہ ۶۲۰ھ کی تحریر ہے، جس کی تصدیق ابن شداد نے کی ہے (ابن شداد کے لیے دیکھئے بروکلمن)

مختصر کتاب العین الزبیدی، علامہ بقائی کے خط میں، احمد تیمور پاشا کے کتاب خانے میں۔

شرح جوالیقی، ادب الکاتب، تالیف ابن قتیبہ (م سنہ ۲۷۶ھ) شارح کے بیٹے اسماعیل کے خط میں مورخ ۵۵۳ھ (ویانا میں)

ابن الاثیر کی البسیط، نسخہ قاہرہ پر مؤلف کی یادداشت موجود ہے۔

منتخب نزہۃ الالباء، عبدالعزیز بن جماعہ کے خط میں، احمد تیمور پاشا کے کتاب خانے کا نسخہ۔

ابن شاکر کی عیون التاریخ کی بارھویں اور بیسویں جلدیں خود مصنف کے خط میں احمد زکی پاشا کے کتاب خانے میں ہیں۔

ابوعبید القاسم بن سلاّم کی تالیف، کتاب الاموال پر ذیل کا نسخہ بخط مؤلف علی ابن ایوب مقدسی احمد زکی پاشا کے یہاں ہے۔

"تاریخ النساء" تالیف یاسین العمری الموصلی خود مؤلف کے خط میں، احمد زکی پاشا کے کتب خانے میں ہے۔

کتاب الابنیہ عن حقائق الادویہ، تالیف ابومنصور موفق ہروی کا واحد نسخہ، فارسی کے مشہور شاعر اسدی طوسی (م: ۴۶۵) کے خط میں ویانا میں ہے، اس کی تاریخ کتابت ۴۴۷ھ ہے، اور اس لحاظ سے فارسی زبان میں سب سے قدیم مخطوطہ ہے، خط نسخ اُس پر کوئی ہیں ہے۔

ترجمان البلاغہ۔ تصنیف محمد بن عمر الرادویانی نسخہ منحصر بفرد کتب خانہ فاتح استنبول میں موجود ہے، اس کی کتابت ۵۰۷ھ میں ہوئی، کاتب ابوالہیجاء اردشیر بن دیلیسار القطبی شاعر ہے، جس کے مشورے سے اسدی طوسی نے لغت فرس لکھی تھی، ترجمان البلاغہ مدتوں فرخی سیستانی کی تصنیف سمجھی جاتی رہی ہے،

وفیات الاعیان تالیف ابن خلکان (۶۸۳) کا نسخہ متحف برطانیہ بخط مولف ہے۔

ان چند مثالوں سے اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارے فضلاء نے قلمی نسخے اپنے ہاتھ سے تیار کیے، مطالعہ کے دوران ان پر یادداشتیں لکھیں، ان سے نہ صرف مخطوطات کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے، بلکہ وہ خود ادبی تاریخ کے ماخذ کا کام کرتی ہیں۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان مخطوطات کا بیشتر حصہ برباد ہو چکا ہے، ابن ندیم کی روایت ہے کہ جو کتابیں دستبرد زمانہ سے بچی ہیں، جو ہزار میں ایک کی نسبت سے ہیں، یہ چوتھی صدی کی بات ہے، اگر اس کو انتہائی مبالغہ پر محمول کیا جائے تو شاید سو اور ایک کی نسبت میں مبالغہ نہ ہو، یہ تو حملۂ تاتار سے پہلے کا حال ہے، اس سانحے سے اسلام کے مشرقی حصے کو جو جانی، مالی، علمی، تہذیبی نقصان پہونچا ہے اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، ایک طرف تو لاکھوں آدمی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے تو دوسری طرف سیکڑوں عظیم کتب خانے نذر آتش ہوئے، اور اس طرح اسلامی علوم کا بڑا سرمایہ ضائع ہو گیا، حملۂ تاتار سے اسلامی تمدن کو جو نقصان پہونچا اس کی تلافی ناممکن ہے، کتابوں کے اس عظیم سرمایے سے قطع نظر اس کے بعد کے ادوار کا علمی معیار بھی پست ہو گیا،

مخطوطات کی بربادی میں سیاسی اسباب کے علاوہ اور دوسرے عوامل کا بھی دخل ہوتا ہے، اور سب سے بڑی بات جہل اور عام آدمیوں کی غفلت ہوتی ہے، وہ اچھی اور بری کتابوں میں تمیز نہیں کر سکتے یہی وجہ ہے کہ اہم مخطوطات کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو کسی غیر ضروری کتاب کے ساتھ ہو، حال ہی کی

بات ہے کہ لاہور کے مشہور پروفیسر مولوی محمد شفیع صاحب ایک کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے، اسی دوران میں اس کی پھٹی جلد کے اندر ان کو کوئی قدیم تحریر نظر آئی، جلد کے اوراق کھولے گئے تو اس سے عنصری کی مفقود مثنوی وامق و عذرا کے خاصے اوراق برآمد ہوئے، پروفیسر صاحب نے ان اوراق کو بڑی توجہ سے پڑھ کر شایع کر دیا، اس طرح ایک گم شدہ کتاب کا پتہ چل گیا۔

ایک عجیب بات ہے کہ مخطوطات کی حفاظت کی ہر چند کوشش کی جائے، مگر وہ زیادہ سودمند نہیں ہوتی، رشید الدین فضل اللہ طبیب غازان خان کا دانشمند وزیر تھا، وہ جامع التواریخ کا مصنف ہے جو عالمی تاریخ نویسی کی زندہ مثال ہے، فضل اللہ کی اور دوسری تصانیف بھی ہیں، اس نے تبریز میں ایک کالونی آباد کی، اس کا نام ربع رشیدی رکھا، اس کا ایک حصہ کاتبوں اور خطاطوں کے لیے وقف تھا، جو اس کی کتابوں کے نسخے تیار کرنے پر مامور تھے، اس طرح اس کی تصانیف کے سیکڑوں نسخے تیار ہو گئے، اس کے علاوہ اس نے ایک تدبیر یہ بھی کی تھی کہ اپنی ساری کتابوں کو عربی و فارسی دونوں زبانوں میں منتقل کرا دیا تھا، لیکن جس وقت پروفیسر براؤن تاریخ ادبیات ایران لکھ رہے تھے، رشید کی کتاب کا کوئی نسخہ مکشوف نہ تھا، بہرحال اس کے چند سال بعد جامع التواریخ کے نسخے ملے، اور اب یہ کتاب شایع ہو چکی ہے، اس کے مجموعہ رسائل کے نسخے بھی مل چکے ہیں، اور ربع رشیدی کا تیار کیا ہوا ایک نسخہ (عربی زبان والا) راجہ صاحب محمود آباد کے کتاب خانے میں بھی موجود ہے، اس کی ایک ضخیم کتاب "اسولہ و اجوبہ" ہے، اس کے نسخے بھی مکشوف ہوئے ہیں، ایک نسخہ اٹاوہ میوزیم میں بھی تھا، جو اب مسلم یونیورسٹی میں منتقل ہو چکا ہے۔

باوجود اس امر کے کہ اسلامی علوم کا بیشتر خزانہ ضائع ہو چکا ہے، اور جو باقی ہے وہ محض ایک حقیر چیز ہے، اور اس باقی ماندہ چیز کا بڑا حصہ قلمی شکل میں ہے، اور یہ قلمی کتابیں اس گئی گذری حالت میں بھی اتنی ہیں کہ کسی دوسرے تمدن میں نہ ہوں گی، یہ مخطوطے مشرق اور مغرب کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں، مغرب کے بیشتر کتب خانوں کی فہرستیں بھی شایع ہو گئی ہیں، محض یورپ میں قلمی کتابوں کی تعداد لاکھ سے متجاوز ہو جائیگی،

اخبار التراث العربی کے حالیہ شمارے کی ایک اطلاع کے مطابق چالیس ہزار سے زیادہ عربی مخطوطے صرف روس کے مختلف علاقوں میں ہیں، ان میں فارسی اور ترکی کے مخطوطات جو اسلامیات سے تعلق رکھتے ہیں، شامل نہیں، اقبالؒ نے یورپ کے کتاب خانوں میں جب اسلامی خزانے دیکھے تو ان کی آنکھیں چکاچوند ہوگئیں، اس وقت انھوں نے قطعہ لکھا، جس کے یہ شعر قابل ملاحظہ ہیں :

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی | جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن | کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

واقعی اہل یورپ کی کتابوں کے محفوظ کرنے اور پھر ایک حد تک ان کے متعارف کرانے کی سعی مشکور ہوئی، البتہ مشرقی ممالک میں قلمی کتابیں نسبۃً منتشر ہیں، اور ان سے استفادہ آسان نہیں، اکثر کتاب خانوں کی فہرستیں نہیں چھپی ہیں، ذاتی ذخائر کے بارے میں معلومات ہی نہیں، ضرورت ہے کہ ان ذخائر کا پتہ چلایا جائے، اور سب کتاب خانوں کی خواہ عمومی ہوں یا شخصی فہرستیں مرتب ہوں، اس کے بعد صحیح طور پر اندازہ ہوسکے گا کہ ہمارے ذخائر کی کیا نوعیت ہے، اور ہمارے علوم کا کتنا سرمایہ مشرق میں موجود ہے، ادھر چند سالوں سے عرب ممالک میں کچھ یہ احساس بیدار ہوا ہے، اور اپنے علمی ورثہ کی بازیافت اور اس کے متعارف کرنے کی سعی ہو رہی ہے۔

اسلامی علوم سے متعلق جو قلمی ذخیرے ہیں، وہ اس لحاظ سے نہایت درجہ اہم ہیں کہ اتنے متنوع قسم کے مخطوطات کسی دوسرے معاشرے میں نہیں ملیں گے، اور تعداد کے اعتبار سے وہ ساری تہذیبوں پر فائق ہیں، صرف قرآن کریم کے مخطوطات پر غور کریں تو اسلامی تمدن کی علمی برتری پوری طرح واضح ہو جائیگی، اس صحیفے کے جتنے نسخے دنیا میں ہیں، کسی ایک کتاب کا کیا ذکر، متعدد فنی کتابوں کے سارے مخطوطات اتنے نہ ہوں گے، پھر ان پر جتنی فنکارانہ مشق ہوئی ہے اس کی مثال سارے عالم میں نہیں ملے گی، قرآن مجید کے نسخوں سے خطاطی کی تاریخ مرتب ہوسکے گی۔

اسلامی مخطوطات پر نظر ڈالنے سے ایک لحاظ سے اطمینان ہوتا ہے کہ باوجود اتنے کم ہونے کے دوسری تہذیبوں کے مقابلہ میں آج بھی وہ زیادہ وقیع ہیں، لیکن ساتھ ہی اتنے سرمایے کی بربادی پر بڑا افسوس ہوتا ہے، اور جیسا کہ عرض ہو چکا ہے برباد شدہ حصہ باقی حصے کا کئی گنا ہے، اگر محض عظیم مصنفین کے آثار پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کی تمام تصانیف ہم تک پہونچی ہوں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی علوم سے متعلق ہمارا علم کتنا ناقص و نامکمل ہے، گم شدہ مواد کا ایک نقشہ ہمارے ذہن میں اس طرح قائم ہو سکتا ہے، اگر ہم چند کتابوں کے مآخذ و منابع پر ایک نظر ڈال لیں، فی الحال میں تین کتابوں کا مطالعہ اس لحاظ سے پیش کرتا ہوں:

۱۔ فضائل بلخ، تالیف شیخ الاسلام صفی الدین ابوبکر عبداللہ بن عمر بن محمد بن داؤد واعظ بلخی، تالیف ۶۱۰ھ

۲۔ طبقات الصوفیہ خواجہ عبداللہ انصاری، تالیف ۴۱۸ھ۔ ۳۔ العباب الذاخر تالیف امام صغانی (م ۶۵۰ھ)

فضائل بلخ عربی زبان میں تھی، یہ کتاب مفقود ہے، اس کا فارسی ترجمہ باقی ہے، مترجم عبداللہ محمد بن محمد بن حسینی بلخی اور ترجمہ کی تاریخ ۶۷۶ھ ہے، فضائل بلخ میں ستر ایسے مشائخ بلخ کا تذکرہ ہے جن سے حدیث روایت ہے، ان میں پہلے شیخ رومان بلخی ہیں جو صحابی تھے، فضائل بلخ کے مآخذ میں حسب ذیل کتابیں تھیں:

۱۔ مناقب بلخ، ناپید ہے۔ ابو زید بلخی، ۲۔ تاریخ بلخ محمد بن عقیل بلخی، ناپید ہے، ۳۔ کتاب البہجہ، ناپید ہے، ۴۔ طبقات عبداللہ جوئے باری، ناپید ہے، ۵۔ المعجم الکبیر ابواسحاق مستملی، ۱۴ دفتر میں تھی، سمعانی نے کتاب الانساب میں تذکرہ کیا ہے، اب ناپید ہے۔ ۶۔ طبقات علی بن فضل، چار مجلد میں تھی، اب ناپید ہے، ۷۔ تواریخ بلخ ناپید ہے، ۸۔ تاریخ بلخ ناصر الدین سمرقندی، ناپید ہے، ان کے علاوہ حسب ذیل کتابوں کا نام آیا ہے: ۱۔ سلوۃ العارفین، ناپید ہے، ۲۔ رسالہ قشیریہ، موجود ہے، ۳۔ تذکرۃ الاولیاء، موجود ہے، ۴۔ الحدایق لاہل الحقایق، موجود ہے، ۵۔ کتاب ضحاک، ناپید ہے، ۶۔ نزہۃ الخاطر، ناپید ہے، ۷۔ کتاب النوازل، موجود ہے، ۸۔ کتاب النوادر، ۹۔ جمل الغرائب، موجود ہے، ۱۰۔ حلیۃ الاولیاء،

موجود ہے، ۱۱. کتاب العافیہ، ناپید ہے، ۱۲. تصانیف ہرثمہ، ناپید ہے، ۱۳. امالی شیخ المشائخ، ناپید ہے، ۱۴. امالی شیخ الاسلام محمد بن احمد ملحی، ناپید ہے، ۱۵. امالی قاضی القضاۃ ابوبکر، ناپید ہے، ۱۶. کتاب الدلائل البینات، ناپید،

مؤلف کے آٹھ اہم منابع میں کوئی موجود نہیں، بقیہ سولہ کتابوں میں سے چھ موجود ہیں، اور ۱۰ مفقود۔

خواجہ عبداللہ انصاری کی طبقات الصوفیہ کے قبل کے متعدد صوفیہ کے تذکرے لکھے گئے تھے، ان میں سے سوائے سلمی (م: ۴۱۲ھ) کے طبقات کے کوئی باقی نہیں ہے، خواجہ صاحب نے حسب ذیل ماخذ سے اپنا تذکرہ تیار کیا تھا:

۱. تاریخ مشائخ یا طبقات الصوفیہ، تالیف محمد بن علی حکیم ترمذی، ان کی وفات ۲۵۵ھ میں ہوئی، ابوالحسن علی ہجویری صاحب کشف المحجوب نے یہ کتاب دیکھی تھی، یہ کتاب مفقود ہے۔

۲. اخبار الصوفیہ والزہاد، تالیف ابوبکر محمد بن داؤد بن سلیمان، متوفی ۳۴۲ھ سلمی کے استاد تھے، یہ کتاب بھی مفقود ہے۔

۳. طبقات النساک، تالیف ابوسعید احمد بن محمد غزی، متوفی ۳۴۱ھ، ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں اس سے استفادہ کیا ہے، اب ناپید ہے۔

۴. کتاب اسمار مشائخ فارس، تالیف ابوعبداللہ محمد بن خفیف، متوفی ۳۷۱ھ یا ۳۷۲ھ یہ کتاب اب موجود نہیں۔

۵. کتاب اللمع، تالیف محمد بن احمد بن ابراہیم معروف بہ ابوبکر مفید، ابونصر سراج نے اپنی تصنیف اللمع میں اس سے استفادہ کیا ہے،

۶. معجم الشیوخ، تالیف ابواسحاق ابراہیم بن احمد بن داؤد مستملی بلخی، متوفی ۳۷۶ھ، ابھی

مصنف کی ایک دوسری کتاب طبقات اہل بلخ بھی جو ابن حجر عسقلانی کے مطالعہ میں تھی، ہمیں کسی نسخے کا علم نہیں۔

۷۔ طبقات الصوفیہ، تالیف ابو العباس احمد بن محمد بن زکریا زاہد نسوی (۳۹۶ھ)

۸۔ تاریخ ابوبکر محمد بن عبداللہ رازی شیخ خراسان استاد سلمی (۴۰۰ھ)

۹۔ طبقات الصوفیہ، تالیف ابو عبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمی (م ۴۱۲ھ)

یہی آخرالذکر کتاب[1] باقی ہے، بقیہ کسی ایک کا پتہ نہیں۔

امام حسن بن محمد بن حسن صغانی لاہوری (م: ۶۵۰) مشارق الانوار کے لائق مصنف ہیں، ان کی کتاب العباب الزاخر لغت کی مشہور کتاب ہے، اس کے مقدمہ میں سو سے زیادہ کتابوں کا ذکر ہے، ان میں سے نصف کے قریب فنا ہو چکی ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

محمد بن حبیب بغدادی کی حسب ذیل کتابیں: کتاب المنعم، موشح، موتلف، المؤتلف والمختلف، کتاب ایام العرب، ابو حاتم سجستانی کی حسب ذیل کتابیں: کتاب الطیر، کتاب النخلہ، ابن الصائب کلبی کی کتاب المعمرین، کتاب الازاق العرب، کتاب القاب الشعراء، ابن السکیت، کتاب الصغیر، کتاب البحث، کتاب الفرق اخفش: کتاب النوادر، کسائی: کتاب النوادر وغیرہ وغیرہ۔

تفصیلات بالا سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اثاثے کا کتنا بڑا حصہ مفقود ہے، اس میں کلام نہیں کہ ان مفقود مخطوطات میں کچھ ایسے ضرور ہیں جو گوشہ گمنامی میں پڑ گئے ہیں، تحقیق و تلاش سے ان میں سے کچھ ضرور معلوم ہو سکتے ہیں، اور خوشی کی بات ہے کہ اب ایک نہضت شروع ہو چکی ہے، اس کے نتیجے میں کئی ہزار نئے مخطوطات سامنے آگئے ہیں، خصوصاً عربوں میں اپنے ورثہ کی بازیافت اور ان کو عام کرنے کا شدید جذبہ

---

[1] یہ کتاب پروفیسر Johanes Pedaroni دانش گاہ کوپن ہیگن کے اہتمام سے لیڈن سے دوبارہ ۱۹۶۰ء میں چھپی، پہلی مرتبہ ۱۹۵۳ء میں مصر سے تصحیح ہو کر طبع ہو چکی تھی۔

پیدا ہو چلا ہے، اس کے نتیجہ میں شام، عراق، لبنان، مصر، سعودی عرب، کویت، یمن وغیرہ ممالک میں تحقیقی ادارے کھلتے جارہے ہیں، اور ان اداروں کے توسط سے نئے نئے مخطوطات سامنے آرہے ہیں، ان کو متعارف کیا جارہا ہے، کتاب خانوں کی فہرستیں شایع ہورہی ہیں، اور دنیا کے مختلف حصوں میں جو اسلامی علوم سے متعلق ہیں، ان سے رابطے قائم ہورہے ہیں، ان ہی میں کویت کا ادارہ معهد المخطوطات العربیّة ہے، اس سے ایک نہایت عمدہ علمی و تحقیقی مجلہ اخبار التراث العربی کے نام سے شایع ہورہا ہے، اس میں نئے نئے مخطوطات اور نادر کتابوں کی اشاعت، کتاب خانوں کی فہرستوں کے بارے میں دلچسپ اطلاعات درج ہوتی ہیں، اسلامیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے اس مجلہ کا مطالعہ ناگزیر ہے، اس سے اس نہضت کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا جو عالم عرب میں خصوصاً اور دنیائے اسلام میں عموماً شروع ہوچکی ہے یہ بڑی نیک فال ہے، اور اس سے واضح ہے کہ عالم اسلام کو اپنے ماضی کی شاندار علمی روایات کا احساس بخوبی ہوچکا ہے، اور امید کی جاسکتی ہے کہ ان شاء اللہ چند سالوں میں اسلام کی علمی روایت کی عظمت کا احساس عام ہوجائے گا، اور احساس زیاں سے جو نقصان پہونچا ہے اس کی تلافی ہوسکے گی، اس سلسلہ میں دو تین باتیں ضروری ہیں، اول یہ کہ دوسرے ممالک میں بھی اسی نوعیت سے کام کی رفتار تیز کردینی چاہیے، دوسرے یہ کہ ان تمام ممالک کے درمیان ایک علمی رابطہ قائم کرنا چاہیے، اس کے لیے ایک عالمی ادارے کے قیام کی ضرورت ہے، تیسری گذارش یہ ہے کہ درحقیقت عرب علوم اسلامی کو عربی ورثہ کہتے ہیں، یہ نام صحیح نہیں، اس کو اسلامی ورثہ کہنا چاہیے اس لیے کہ ان علوم کا تعلق نہ صرف عرب ممالک اور عربی زبان سے ہے، بلکہ غیر عرب ممالک خصوصاً ایران، ترکی، ہندوستان، پاکستان وغیرہ مشرقی ممالک کا اسلامی علوم کی ترقی میں برابر کا حصہ ہے، اور اسی اعتبار سے عربی کے علاوہ فارسی، ترکی، اردو کا مطالعہ اس سلسلہ میں ناگزیر ہے، بلکہ میں تو یہاں تک عرض کرنے کی جرأت کردوں گا کہ ملایا اور انڈونیشیا کو بھی اسی زمرے میں شامل کرنا چاہیے، اس نہضت جہانی کی ابتدا ہوچکی ہے، اس میں ہر شخص کو اپنی استعداد کے مطابق حصہ لینے کی از بس ضرورت ہے۔

میری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی علوم نے تہذیب عالم کی ترقی میں اہم رول ادا کیا ہے، لیکن ان علوم کا بیشتر حصہ مدفون ہے، اور جو معلوم ہے، وہ گم شدہ حصے کا محض ایک قلیل جزء ہے، اور اس آخر الذکر کا بڑا حصہ مخطوطات کی شکل میں ہے جن کی کثرت کا عالم یہ ہے کہ بعض بعض ممالک میں ان کی تعداد لاکھوں تک پہونچ جائے گی، مخطوطات میں بیشتر ایسے ہیں جہاں تک عوام کا کیا ذکر، فضلاء تک کی رسائی نہیں، ہمارا علم صرف مطبوعات تک محدود ہے، اور یہ مطبوعات کا حصۂ کثیر انتقاد متن کے اصولوں پر پورا نہیں اترتا، اس سلسلہ میں حسب ذیل امور ازبس ضروری ہیں:

۱. اسلامی مخطوطات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ اطلاعات بہم پہونچائی جائیں۔

۲. اہم مخطوطات کو چھاپ کر عام کیا جائے۔

۳. چھپی ہوئی کتابوں کو انتقاد متن کے اصول پر پھر سے چھاپا جائے۔

۴. گم شدہ مخطوطات کی بازیافت کی کوشش کی جائے۔

خوشی کی بات ہے کہ اس سلسلہ کی نہضت کا آغاز ہو چکا ہے، اور اہل عرب خصوصیت سے اس طرف متوجہ ہیں، ان میں اپنے ورثہ کی بازیافت کا جذبہ شدت سے پیدا ہو گیا ہے، یہ بڑی خوش آیند بات ہے مستقبل قریب میں اچھے نتائج کے سامنے آنے کی پوری توقع ہے ✲✲✲

سروس شوز
Servis